یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجیب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
خیال اُن کا بھی آیا کبھی تجھے جاناں
جو تجھ سے دُور، بہت دُور رہے تھے الگ

یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجیب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
خیال اُن کا بھی آیا کبھی تجھے جاناں
جو تجھ سے دُور، بہت دُور رہے تھے الگ

کبھی کبھی انسان کے نظریات و خیالات پر ایسی ضرب پڑتی ہے کہ وہ خود ان نظریات کی نفی کرتا ہے جن پر کبھی اس کا یقین راسخ تھا۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے، میرے دوست مجھے منکر محبت کہتے تھے کیونکہ میں ان کی طرح دل ہتھیلی پر لیے نہیں پھرتا تھا لوگ کہتے ہیں محبت خود بخود ہو جاتی ہے وہ اچانک ٹڈی دل کی طرح حملہ کرتی ہے اور لمحوں میں سب صفایا کر دیتی ہے۔ ہر فالتو سوچ اور خیال کا نفی کر دیتی ہے دل میں صرف محبت رہ جاتی ہے اور بس لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں تھا جبکہ میرے دوستوں کا بھی یہی خیال تھا کہ محبت بس ایک نظر ایک لمحے کی بات ہے۔

''نہیں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے کئی بار ان سے بحث کی تھی۔

''یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ آدمی کسی کو ایک نظر دیکھے اور اس کی محبت میں مبتلا ہو جائے ایک نظر تو صرف ظاہر پر پڑتی ہے اور ظاہر بھی کب پورا دکھتا ہے میرے دوست مجھے ہمیشہ قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے خاص طور پر گوشی جو میرا دوست ہی نہیں میرا خالہ زاد بھی ہے، اس کا نام تو شکیل

تھا لیکن گھر میں سب گوشی کہہ کر ہی بلاتے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اسے بھی محبت ہوگئی ہے' وہی ایک نظر والی محبت...... لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ اسے سچ مچ محبت ہوگئی ہے' ایسا تو صرف کہانیوں اور فلموں میں ہوتا ہے کہ ادھر کسی خوب صورت حسینہ پر نظر پڑی اُدھر دل پر ہاتھ رکھ کر چِت سے گر گئے۔

''محبت کے لیے خوب صورتی کی شرط نہیں ہے۔'' گوشی کو جب سے محبت ہوئی تھی وہ کچھ کچھ فلسفی بھی ہوگیا تھا۔

''کیا بدصورت سے بھی ایک نظر میں محبت ہوجاتی ہے۔'' میرا انداز تمسخرانہ تو نہیں تھا لیکن میرا انداز ایسا ہی کچھ تھا۔

''چیزیں خوب صورت اور بدصورت ہوتی ہیں محبت نہیں۔'' گوشی سنجیدہ تھا۔

''محبت میں خوب صورتی اور بدصورتی بے معنی لفظ ہیں۔''

''اوہ گوشی خدا کے لیے اب یہ گھسا پٹا جملہ نہ کہنا کہ حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔'' میں ہنسا تھا۔

''کچھ غلط بھی نہیں یہ۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''محبت تمہاری آنکھ کو بدصورت بھی خوب صورت کر کے دکھاتی ہے اس لیے کہ محبت میں کچھ بھی بدصورت نہیں ہوتا' سب خوب صورت ہوتا ہے۔''

''تو کیا وہ...... میرا مطلب ہے جس سے تم محبت کرتے ہو خوب صورت ہے یا......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''میں نے اسے خوب صورتی اور بدصورتی کے پیمانے میں تو کبھی نہیں جانچا۔ بس میں نے اسے دیکھا اور میرا دل اس کی محبت سے لبالب بھر گیا' یہ تو کوئی عام نظر ہی فیصلہ کرسکتی ہے کہ وہ خوب صورت ہے یا نہیں۔ میری نظر تو محبت کی نظر تھی اور محبت کی نظر ہمیشہ خوب صورت ہی ہوتی ہے۔''

گوشی کی ساری منطقی باتیں سننے کے باوجود میں محبت پر اس طرح یقین نہیں رکھتا تھا جس طرح اسے اور دوسرے دوستوں کو تھا۔ میں محبت کی طاقت کو مانتا تھا اور مجھے صنف نازک کی کشش کا اعتراف بھی تھا۔ ظاہر ہے نیگیٹو اور پازیٹو کا ایک دوسرے کی طرف کھنچنا نیچرل ہے لیکن میں یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ محبت اس طرح اتنی جلدی محض ایک نظر میں ہوجاتی ہے۔ ہاں ایک نظر میں پسندیدگی تو ہوسکتی ہے' محبت نہیں۔ یہ میرا حتمی فیصلہ تھا محبت تو ہولے ہولے اپنی جگہ بناتی ہے پہلے دل کی دھرتی پر اس کی نمو ہوتی ہے پھر پہلے ننھی سی کونپل' کونپل سے پودا اور پھر تناور درخت بنتی ہے اور پہلی نظر تو صرف ظاہر کو دیکھتی ہے۔ باطن کی خوبیاں تو ہولے ہولے کھلتی ہیں اس کے علاوہ بھی میرا ایک نظریہ تھا جس سے گوشی کو شدید اختلاف تھا۔

میں کہتا تھا کہ پہلی نظر میں کسی معذور یا کسی ایسے شخص سے محبت نہیں ہوسکتی جس میں کوئی جسمانی نقص ہو کیونکہ پہلی نظر تو ظاہر ہی دیکھتی ہے جب ظاہر ہی قبول نہ ہو تو پھر نگاہ تو ظاہر سے ہی پلٹ آئے گی نا...... لیکن گوشی کے پاس اپنے چچازاد بھائی کی مثال تھی جو ایک بڑا افسر تھا لیکن جس نے ایک معذور لڑکی سے محبت کی اور پھر خاندان بھر کی مخالفت کے باوجود اس سے شادی کی جبکہ اس کے ظاہر میں سوائے اس کے لمبے بالوں کے اور کوئی خوب صورتی نہ تھی۔

''یہ صرف محبت نہیں ہے گوشی!''

میرا دل مانتا نہیں تھا کہ ایک ایسا شخص جس کے آگے پیچھے لڑکیاں گھومتی ہوں تو وہ ایک ایسی لڑکی کی محبت میں کیسے گرفتار ہوسکتا ہے جو اپنے پاؤں پر کھڑی بھی نہ ہوسکتی ہو' جس کا ظاہر بھی اٹریکٹ نہ کرتا ہو۔ وہ بہت عام سی بہت معمولی شکل کی لڑکی تھی' میں نے ایک بار گوشی کے گھر اسے دیکھا تھا۔

''نہیں گوشی اس محبت کے پیچھے کچھ اور بھی ہے' دولت جائیداد......''

''نہیں میرے کزن کو اس کی دولت جائیداد سے کوئی سروکار نہیں' وہ اس کے ذہن اور سوچ کی خوب صورتی سے

متاثر ہوئے ہیں۔"

"ضرور کوئی بات تھی میں جانتا تھا لیکن گوشی خود مریض محبت تھا اس لیے میں اسے قائل نہیں کرسکتا تھا۔ اسے تو کائنات کی ہر چیز محبت کا ترانہ سناتی دکھائی دیتی تھی۔ وہ ایک ایسی لڑکی کی محبت میں تڑپتا تھا جو اسے ایک جھلک دکھا کر غائب ہوگئی تھی' مجھے اس کی حالت پر ترس بھی آتا تھا اور ہنسی بھی اور مجھے یہ بھی یقین تھا کہ یہ عارضی کیفیت ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ اسے بھول چکا ہوگا' بھلا ایک نظر دیکھ کر کوئی کیسے عمریں بتا سکتا ہے۔

اور میں جو اس کا مذاق اڑاتا تھا ہرگز نہیں جانتا تھا کہ میں کسی روز ایسی نظر کا اسیر ہو جاؤں گا۔ ہاں وہ ایک نظر ہی تھی جو اس پر پڑی تھی اور پھر پلٹنا بھول گئی تھی۔ اس روز میں اپنی خالہ کے گھر ان کی مزاج پرسی کے لیے گیا تھا پچھلے دنوں وہ کچھ بیمار ہوئی تھیں اور میرے علاوہ گھر کا ہر فرد ہی ان کی مزاج پرسی کرآیا تھا اور اماں مجھے بھی کئی دفعہ کہہ چکی تھیں کہ مجھے بھی خالہ کے گھر جانا چاہیے سو اس روز میں یونیورسٹی سے سیدھا خالہ کے گھر چلا گیا اور پھر لاؤنج میں قدم رکھتے ہی ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ وہ بالکل سامنے ہی صوفے پر بیٹھی تھی اس نے نظریں اٹھائی تھیں' اس کی پلکیں بھیگی بھیگی تھیں اور رخساروں پر ہلکی سرخی تھی شاید وہ کچھ دیر پہلے روئی تھی وہ نچلے ہونٹ کو بے دردی سے کچل رہی تھی اس کی آنکھیں اس وقت مجھے سمندروں سے مشابہ لگی تھیں اس نے فوراً ہی نظریں جھکالی تھیں اس کی پلکوں کی جھالروں کا سایہ اس کے رخساروں پر پڑ رہا تھا۔ میں مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا' وہ واقعی اتنی خوب صورت تھی یا مجھے لگی تھی شاید یہ سب میری نظر کا فتور تھا۔ وہ کچھ گھبرا سی گئی تب ہی خالہ لاؤنج میں آگئیں۔

"ارے صائم بیٹا تم...... شکر ہے تمہیں بھی خیال آ گیا ورنہ میرا خیال تھا موت کی خبر سن کر ہی آؤ گے۔"

"سوری خالہ......" میں شرمندہ ہوا۔ "اب کیسی ہیں آپ؟"

"اللہ کا شکر ہے بیٹھو تم کھڑے کیوں ہو۔" اور پھر صوفے پر بیٹھی ہوئی لڑکی کی طرف دیکھا جو کچھ بے چین سی لگ رہی تھی۔

"یہ ماہ نور ہے صائم!" میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ "آپا عطیہ کی بیٹی!"

"اوہ اچھا۔" میرے لبوں سے نکلا۔ آپا عطیہ ان کی بڑی نند تھیں اور قصور میں رہتی تھیں۔ میری نظروں نے پھر اسے حصار میں لیا تھا۔

"اور ماہی یہ میرا بھانجا ہے صائم!" خالہ نے تعارف کروایا تو اس نے بس ایک نظر مجھے دیکھ کر سر جھکالیا تھا۔

میں نے اس سے پہلے ماہ نور کو نہیں دیکھا تھا اور اگر دیکھا بھی تھا تو یاد نہیں تھا۔ میں خالہ کے گھر کم ہی آتا تھا اور اگر زیادہ بھی آتا ہوتا تو تب بھی عطیہ آپا قصور میں رہتی تھیں تو کبھی کبھار ہی بھائی کے گھر آتی ہوں گی اور اب بھی یقیناً خالہ کی مزاج پرسی کے لیے آئی ہوں گی گو مجھے وہ یہاں نظر نہیں آئی تھیں لیکن ظاہر ہے ماہ نور اکیلی تو نہیں آئے گی۔

میں جو کہتا تھا کہ ایک نظر صرف ظاہر پر پڑتی ہے اور محبت کے لیے وہ ایک نظر کافی نہیں ہوتی۔ میری نظر نے بھی ظاہر کا احاطہ کیا تھا لیکن اس رات مجھے نیند نہیں آئی تھی' ایک انوکھی سی تڑپ تھی جو تکلیف نہیں دیتی تھی بلکہ میٹھی میٹھی سی کسک تھی جو جگاتی تھی اور آنکھوں کے سامنے بار بار وہ بھیگی پلکیں آجاتی تھیں۔

"کیا یہ محبت ہے؟" میں چونکا تھا۔

"نہیں بھلا محبت کیسے ہوسکتی ہے؟" میں نے بار بار اپنے آپ کو جھٹلایا تھا۔

"ایک نظر دیکھ کر کوئی کیسے کسی کی محبت میں مبتلا ہوسکتا ہے۔" میری اپنی آواز میرے کانوں میں آئی تھی اور میں حیران ہوا تھا کہ ایک نظر دیکھ کر محبت تو نہیں ہوسکتی پھر یہ کیا ہے شاید ہمدردی...... ہاں ہمدردی ہی ہوسکتی ہے۔

اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں اور وہ اس طرح ہونٹ کاٹ رہی تھی جیسے کسی شدید درد کو برداشت کررہی ہو یا پھر تجسس کہ وہ کیوں روئی تھی۔

تو ثابت ہوا کہ یہ محض ہمدردی تجسس یا پھر اس سے ملنا

جلتا کوئی احساس تھا جو مجھے اسے سوچنے پر مجبور کررہا تھا۔ میں نے خود کو تھپکی دی۔

"یعنی میں صائم ربانی کیسے ایک نظر دیکھ کر کسی کی محبت میں گرفتار ہوسکتا ہے لیکن وہ لڑکی خالہ کی نند کی بیٹی کیا نام تھا اس کا ماہی...... ہاں ماہی...... ما...... ہی۔" میں نے زیرلب دہرایا تھا کتنا انوکھا سا نک نیم ہے۔ میرے تصور میں اس کا سراپا لہرایا۔ وہ پتا نہیں کیوں رو رہی تھی اب میں سوچ رہا تھا۔

مجھے اس میں تو قطعی کوئی شک نہیں تھا کہ وہ چند لمحے پہلے روئی تھی۔ شاید وہ بیمار ہو کچھ لڑکیاں بڑی نازک مزاج ہوتی ہیں ذرا سا سر میں درد بھی ہو تو رونے لگتی ہیں۔ جیسے میری بہن گڑیا چھوٹی سی بات پر بھی اس کے آنسو نکل آتے ہیں لیکن وہ لڑکی یعنی ماہ نور...... میں نے آنکھیں بند کرکے تصور میں اسے دیکھا۔

"نہیں کوئی ذرا سی بات نہیں ہوسکتی۔" وہ کرب جو اس کی آنکھوں سے جھلکتا تھا وہ ذرا سی بات کیسے ہوسکتی ہے تو شاید اس کا کوئی بہت پیارا بیمار ہو یا پھر......" میں خود ہی اندازے لگاتا اور خود ہی رد کرتا رہا پھر سوچا اماں سے پوچھتا ہوں کہ آپا عطیہ کے گھر میں سب خیریت ہے نا بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے میری نظر کلاک پر پڑی تین بج رہے تھے۔ میں اپنی بے خودی پر شرمندہ ہوتا اور خود کو لعنت ملامت کرتا ہوا لائٹ آف کرکے بیڈ پر لیٹ گیا تھا اور میں نے آنکھیں بھی موند لی تھیں پھر مجھے پتا نہیں کب نیند آئی تھی لیکن جتنی دیر جاگتا رہا اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

صبح جب میں اٹھا تو تب بھی میرے ذہن میں کہیں اس کا خیال تھا تب ہی تو میں اماں سے پراٹھا لیتے ہوئے بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"یہ خالہ کی جو نند ہیں نا عطیہ آپا ان کے ہاں سب خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں ہاں سب خیریت ہے۔" اماں نے دوسرا پراٹھا اٹھا کر ابا کی پلیٹ میں رکھا تھا۔ "لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" اب ان کی نظریں مجھ پر تھیں۔

"یونہی خالہ بتا رہی تھیں کہ عطیہ آپا آئی ہوئی ہیں۔"

"ہاں تو خیریت سے ہی آئی ہیں بھائی کا گھر ہے۔ ماہ نور کو پیپرز دلوانے لائی ہیں۔ ماہ نور کے والد بھی ساتھ ہیں تمہاری ملاقات نہیں ہوئی ان سے؟"

"نہیں گھر پر تو صرف خالہ اور وہ...... ماہ نور تھی۔" اماں کو جواب دے کر میں نے سوچا تو محترمہ کا کوئی پرچہ وغیرہ خراب ہوگیا ہوگا اور گڑیا کی طرف متوجہ ہوگیا جو ہمیشہ کی طرح ناشتا کرنے میں نخرے کررہی تھی اور ابا اسے نوالے بنا بنا کر کھلا رہے تھے حالانکہ وہ ساتویں کلاس کی طالبہ تھی ایک لمحہ یا شاید چند لمحوں کے لیے لگا تھا مجھے کہ اس کا خیال ذہن سے نکل گیا ہے۔ مسئلہ حل ہوگیا ہے تو مجھے اب اس کے متعلق کیا سوچنا لیکن جب میں نے چائے کا کپ اٹھایا تو وہ بھیگی پلکیں پھر تصور میں ہلچل مچانے لگیں۔

خالہ جب مجھے وہاں لاؤنج میں بیٹھا چھوڑ کر خود چائے بنانے چلی گئی تھیں تو مجھے لگا جیسے اسے میرا وہاں رکنا اچھا نہیں لگا تھا شاید وہ جی بھر کر رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتی تھی اور میں نے آ کر اسے ڈسٹرب کردیا تھا۔

"آپ کو شاید اچھا نہیں لگ رہا میرا یہاں بیٹھنا میں......"

"نہیں نہیں۔" اس نے میری بات کاٹی تھی۔ "میں تو بس...... مجھے بھلا کیوں اچھا نہیں لگے گا آپ کی خالہ کا گھر ہے۔" میں اس کی آواز کی نغمگی میں کھو گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے رگڑتے ہوئے مضطرب سی لگ رہی تھی اور چائے پیتے ہوئے اس کے وہ نازک لانبی انگلیوں والے ہاتھ میری آنکھوں کے سامنے آرہے تھے۔ ٹیبل پر میرے علاوہ اماں گڑیا اور ابا بھی تھے لیکن میں تو جیسے اپنے خیالوں میں گم تھا۔

"آج یونیورسٹی نہیں جانا کیا؟" اماں پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں جانا ہے۔" میں نے چونک کر خالی کپ ٹیبل پر رکھا اور کھڑا ہوگیا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا صائم!" اب اماں تشویش سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

''بالکل ٹھیک ہوں اماں۔'' میں نے اماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکے سے دباؤ سے انہیں یقین دلایا اور کمرے میں آ کر آئینے میں کتنی ہی دیر تک خود کو دیکھتا رہا کہ کیا میں شکل سے کچھ بیمار لگ رہا ہوں کیونکہ اماں نے میری یقین دہانی پر اعتبار نہیں کیا تھا اور پیچھے سے آواز دے کر کہا تھا۔

''صائم بیٹا اگر طبیعت ٹھیک نہیں تو یونیورسٹی مت جانا۔''

''یہ مائیں بھی نا۔'' میں مسکرا کر آئینے کے سامنے سے ہٹنے ہی لگا تھا کہ آئینے سے دو بھیگی پلکوں والی دلکش آنکھیں جھانکنے لگی تھیں۔ میں نے جھنجلا کر فائل اٹھائی اور کمرے سے باہر نکل گیا خوامخواہ محترمہ آنکھوں کے راستے دل میں گھسنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

یونیورسٹی میں میرا دھیان بالکل بھی لیکچر کی طرف نہیں تھا' میں سر عثمان کا پیریڈ اٹینڈ کر کے کینٹین میں آ گیا تھا کچھ دیر بعد گوشی بھی چلا آیا۔

''کیوں سر عابد کی کلاس میں نہیں جاؤ گے۔''

''نہیں' موڈ نہیں ہے۔'' میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیوں خیریت؟'' گوشی بیٹھ گیا۔

''ہاں بس آج پڑھنے کا جی نہیں چاہ رہا' سوچ رہا ہوں گھر چلا جاؤں۔''

''لیکن آج تو ہمیں سمیر نے لنچ دینا ہے۔''

''اوہ......'' مجھے یاد آ گیا کتنی مشکلوں سے تو وہ ہمیں ون ڈش لنچ پر لے جانے کے لیے راضی ہوا تھا۔ پچھلے ایک سال سے وہ ٹال رہا تھا اور یہ لنچ اس پر ڈیو تھا۔

''ٹھیک ہے مجھے خیال نہیں رہا تھا' اب گھر نہیں جاتا۔''

''تو چلو پھر کلاس میں چلتے ہیں۔''

''نہیں یار گوشی تم جاؤ۔'' لیکن گوشی نے بھی کلاس اٹینڈ نہیں کی اور ہم نے کوک اور سموسے منگوائے اور کوک پیتے ہوئے میں نے گوشی سے پوچھا۔

''جب تمہیں محبت ہوئی تھی گوشی! تو شروع میں کیا محسوس کیا تھا؟'' میں یہ پوچھنا نہیں چاہتا تھا بس غیر ارادی طور پر میرے لبوں سے نکل گیا تھا لیکن گوشی اچھل پڑا۔

''کیا تمہیں بھی محبت ہوگئی ہے؟''

''نہیں یار......'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یونہی پوچھ رہا تھا۔''

''اوہ......'' اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ ''میں سمجھا تم نے محبت کو تسلیم کرلیا ہے۔''

''میں نے پہلے بھی کبھی محبت سے انکار نہیں کیا یار لیکن میں اس طرح کی محبت کا قائل نہیں ہوں کہ دیکھا اور بس اسیر محبت ہوگئے۔ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوسکتا مجھے اگر کسی سے محبت ہوئی تو مجھے بہت وقت لگے گا اس کے اندر حسن کو پرکھنے اور جانچنے کا' میں صرف ظاہر پر مرنے والا نہیں ہوں۔

''یعنی تم بہت ٹھونک بجا کر محبت کرو گے۔''

''ایسا ہی سمجھ لو۔'' میں نے کوک کا آخری گھونٹ لیا۔

لیکن میں غلط نہیں کہہ رہا تھا' محبت نے اچانک ہی مجھ پر حملہ کیا تھا اور اپنے سوا دل میں کچھ بھی رہنے نہیں دیا تھا میں نے گوشی سے تو کہہ دیا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہے لیکن اسی روز میں پھر خالہ کے گھر پہنچ گیا تھا۔ خالہ مجھے دیکھ کر حقیقتاً حیران ہوئی تھیں اور میں جھینپ گیا تھا۔

''وہ خالہ دراصل میں اِدھر سے گزر رہا تھا تو دل نہ مانا کہ آپ کو سلام کیے بغیر دروازے کے سامنے سے گزر جاؤں۔'' اور خالہ نہال ہوگئیں ان کا اکلوتا بیٹا ملک سے باہر تھا' خالو اپنے بزنس میں مصروف دیر سے گھر آتے اور خالہ اکیلی ہوتیں ایسے میں اگر عزیزوں میں سے کوئی چلا جاتا تو خالہ بے حد خوش ہوتیں۔ میں کافی دیر تک لاؤنج میں بیٹھا خالہ سے باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے لگا کہ میرے پاس اب کوئی اور موضوع نہیں رہا بات کرنے کو۔ میرا خیال تھا چائے پر خالہ اسے ضرور بلائیں گی لیکن خالہ صرف میرے لیے چائے لائی تھیں۔

''آپ کے مہمان چلے گئے خالہ؟'' بالآخر میں نے پوچھ ہی لیا۔

''مہمان کون...... ہاں بھائی صاحب تو چلے گئے لیکن آپا اور ماہ نور اِدھر ہی ہیں۔ بھائی صاحب ماہی کے پیپر والے دن آ جائیں گے پھر ابھی تو کچھ دن ہیں۔''

''کیسا پیپر......؟'' میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا تھا۔

''ارے کیا بتاؤں بی اے کا پرائیوٹ امتحان دے رہی ہے ماہی اور اس کا امتحانی سینٹر اِدھر بن گیا لاہور میں۔ بہت بھاگ دوڑ کی لیکن سینٹر تبدیل نہیں ہوسکا مصیبت ہی پڑ گئی بے چاری کو۔ ایک پیپر تو ہوگیا ہے اب دوسرا چھ دن بعد ہے اور بھائی صاحب اتنے دن رہ نہیں سکتے تھے پھر آ جائیں گے۔''

اور میں نے اندازہ لگایا ماہ نور کے لیے لاہور کے راستے اجنبی ہوں گے' پتا نہیں کہاں سینٹر بنا ہے اس کا اور بے اختیار میرا جی چاہا کہ خالہ سے کہوں آپ کے بھائی صاحب بے چارے کہاں تکلیف کریں گے آپ کہیں تو میں ماہ نور کو امتحانی سینٹر میں چھوڑ بھی آؤں گا اور لے بھی آؤں گا۔ لیکن میں نے زبان دانتوں تلے دبالی اب اگر میں اس طرح کچھ کہہ دیتا تو خالہ کیا سوچتیں۔ ہاں اگر وہ خود کہتیں تو بخوشی یہ ذمہ داری لینے کو تیار تھا لیکن خالہ نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی تب خود ہی ڈھیٹ بن کر میں نے پوچھا بظاہر بے پروائی سے لیکن اندر سے ہمہ تن گوش تھا۔

''کون سا کالج ان کا سینٹر بنا ہے؟''

''پتا نہیں بیٹا ماہی کو ہی پتا ہوگا۔''

خالہ چائے کی خالی پیالیاں اٹھا کر کچن میں چلی گئیں تو میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اب میرا وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔

''خالہ میں اب چلتا ہوں۔''

''ارے بیٹا بیٹھو نا۔''

''نہیں خالہ اب چلوں گا۔'' میں نے لاؤنج میں کھڑے کھڑے کمروں کے بند دروازوں پر نظر ڈالی۔

''یہ ایسی بھی کیا اجنبیت کل ملاقات ہوئی تو تھی تو کیا اخلاقی تقاضا نہیں تھا کہ محترمہ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی باہر آ کر سلام تو کرتیں۔ خیر مجھے کیا میں کون سا اسے دیکھنے کے لیے مرا جا رہا تھا' وہ تو بس......'' میری آنکھوں کے سامنے پھر اس کی بھیگی پلکیں آ گئیں میں خالہ کو خدا حافظ کہہ کر گیٹ سے باہر نکلا تو میں نے عطیہ آپا کو دیکھا وہ چادر کے پلو سے پسینہ پونچھتی ہوئی گیٹ سے باہر کھڑی تھیں' ان کے ہاتھ میں کچھ شاپر تھے۔

''السلام علیکم!'' میں نے سلام کیا تو انہوں نے بغور مجھے دیکھا اور پھر پہچان بھی لیا۔

''ارے تم فریدہ کے بیٹے ہو نا۔''

''جی۔''

''جیتے رہو بیٹا! فریدہ بتا رہی تھی ابھی پڑھ رہے ہو نا۔''

''جی......''

میں نے سعادت مندی سے کہا اور انہوں نے وہاں ہی گیٹ پر کھڑے کھڑے مزید دو چار رسمی سے سوالات کیے اور پھر دعا دے کر اندر چلی گئیں۔

محترمہ کم از کم اپنی والدہ سے ہی کچھ اخلاقیات سیکھ لیتیں میں جب گرمی میں جلتا بھنتا گھر پہنچا تو میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اب مجھے خالہ کے گھر نہیں جانا' کم از کم اس وقت تک جب تک وہ یہاں ہے اب وہ ایسی بھی حسن کی دیوی نہیں تھی کہ میں بار بار اسے دیکھنا چاہتا بظاہر میں مطمئن سا ہو کر اپنے کام میں مصروف ہوگیا تھا لیکن نہیں جانتا تھا کہ ایک اور رنجگہ میرا منتظر ہے۔

میں نے سارا دن خود کو بے حد مصروف رکھا تھا' پڑھائی' فیس بک' فون پر فرینڈز سے گپ شپ اور شام کو جب میں تیار ہو کر باہر نکلا تو مجھے پورا یقین تھا کہ میرے اندر ماہ نور کے لیے ہمدردی کے جو جراثیم پیدا ہوئے تھے وہ اپنی موت آپ مر چکے ہیں' مجھے یاد ہے ایک بار گوشی نے ہی کہا تھا شاید کہ محبت بعض اوقات ہمدردی کی کوکھ سے پیدا ہوتی ہے وہ اس طرح ارشادات فرماتا رہتا تھا اور یہ شاید اس نے مزمل سے کہا تھا جو ان دنوں فریحہ عمر کی ہمدردی میں رقیق ہو رہا تھا۔ کبھی اس کے لیے نوٹس اکٹھے کیے جا رہے تھے۔ کبھی اسے ڈراپ کیا جا رہا تھا اور بقول مزمل وہ یہ سب فریحہ کی ہمدردی میں کر رہا تھا کیونکہ فریحہ بے چاری کے ابو

ملک سے باہر ہوتے ہیں اور ان کے کام کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ بہر حال میں اپنی دانست میں ہمدردی کے ان جراثیم کا قلع وقمع کرنے کے بعد بے حد مطمئن سا کمرے سے باہر آیا تھا۔ اماں لاؤنج میں فون گود میں دھرے بیٹھی تھیں اور غالباً خالہ سے گفتگو فرما رہی تھیں کیونکہ ایک دوبار دوران گفتگو انہوں نے خالہ کا نام بھی لیا تھا میں کچھ دیر تو ان کی گفتگو ختم ہونے کا انتظار کرتا رہا اور پھر بلند آواز سے اماں کو اطلاع دی۔

اماں جان میں جارہا ہوں، رات کو کھانا کھا کر آؤں گا۔" کچھ دیر پہلے ہی گوشی سے میری بات ہوئی تھی اور ہم نے دوستوں کے ساتھ ماڈل ٹاؤن کے سیخ کباب کھانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اماں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے رکنے کو کہا میں نے کلاک پر نظر ڈالی ابھی سات بجے تھے۔ اتنی دیر نہیں ہوئی تھی، مجھے یہاں سے صرف دس منٹ لگنے تھے گوشی کے گھر جانے میں اور پھر وہاں سے ہم چاروں گوشی کی گاڑی میں ماڈل ٹاؤن جاتے۔

❁......❁......❁

"ٹھیک ہے آمنہ تم زیادہ پریشان نہ ہو ان شاءاللہ کچھ نہیں ہوگا، عطیہ آپا کو بھی تسلی دو۔ صائم کے ابا مغرب کی نماز پڑھنے گئے تھے آتے ہی ہوں گے، بھیجتی ہوں ویسے تو صائم بھی گھر پر ہے دیکھو اس سے بات کرتی ہوں۔" انہوں نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر گود میں رکھا، فون اٹھا کر پاس ہی صوفے پر رکھا۔

"کیا بات ہے۔" میں عطیہ آپا کا نام سن کر چونک گیا تھا۔

"تمہیں کہیں بہت ضروری تو نہیں جانا بیٹا! میرا مطلب ہے نہ جاؤ تو کوئی حرج تو نہیں۔"

اماں کو میرے مزاج کا علم تھا دراصل اکلوتا ہونے کی وجہ سے میں تھوڑی من مانی بھی کر لیتا تھا یعنی اگر میرا موڈ نہیں ہے تو میں لاکھ کہنے پر بھی کہیں جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔

"آپ کہیں اماں کیا مسئلہ ہے؟"

مسئلہ کیا ہونا ہے بیٹا!" اماں نے ایک گہری سانس لی۔ "وہ ماہ نور ہے نا عطیہ آپا کی بیٹی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسے لے کر ہسپتال جانا ہے اور تمہارے خالو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں بس اسی وجہ سے آمنہ پریشان ہو رہی تھی۔ تمہارے ابا بھی ابھی تک نہیں آئے، لگتا ہے نماز کے بعد ملک صاحب کی طرف چلے گئے ہیں جانے کب آئیں۔ بچی بے چاری تکلیف میں ہے اگر تم چلے جاؤ تو......"

"ٹھیک ہے اماں چلا جاتا ہوں، کوئی ایسا ضروری کام نہیں تھا یوں ہی دوستوں کے ساتھ گھومنے جارہا تھا۔" میں نے خود کو کہتے سنا۔

عام حالات میں تو ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا تھا کہ میں اپنے ہی بنائے ہوئے پروگرام کو کینسل کر کے یوں خالہ کی کسی نند کی بیٹی کو ہسپتال لے کر جانے کے لیے تیار ہو جاتا لیکن اندر کہیں کوئی چور تھا ضرور تب ہی تو میں نے اماں سے ماہ نور کی بیماری کے متعلق بھی نہیں پوچھا اور نہ ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ خالہ ایسی کوئی پردے دار بھی نہیں تھیں کہ ماہ نور کو ہسپتال بھی نہ لے جاسکتی تھیں۔

اکلوتے صاحبزادے تو باہر سدھار چکے تھے جب یہاں تھے وہ بھی میری طرح اکلوتا ہونے کا فائدہ اٹھاتے تھے اور خالو بزنس میں بزی اور سب کام تو اندر باہر کے خالہ ہی سرانجام دیتی تھیں لیکن اس وقت میں نے یہ سوچا ہی کب تھا اندر کہیں ایک سرشاری کیفیت تھی جو پورے وجود میں رقص کر رہی تھی میں نے بائیک کی چابی ٹیبل پر رکھی اور کی ریک سے ابا کی گاڑی کی چابی اٹھائی۔

"ابا کی گاڑی لے کر جارہا ہوں، بتا دیجیے گا ابا کو کہ آپ کے کہنے پر......"

"ہاں ہاں کہہ دوں گی۔" اماں تو خوش ہو گئی تھیں کہ میں نے جانے کی حامی بھر لی تھی ورنہ انہیں اپنے مجازی خدا کی منتیں کرنی پڑتیں اور چابی لیتے ہوئے مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی خیال نہ آیا کہ میں نے ابھی چند ماہ پہلے ہی ابا سے کہا تھا کہ میں آئندہ آپ کی گاڑی کو ہاتھ تک نہ لگاؤں گا۔

"مہربانی ہوگی آپ کی۔" ابا نے کہا تھا۔
دراصل میں نے ابا کی گاڑی ایک کھڑے ہوئے ٹرالے سے ماردی تھی وہ تو بچت ہوگئی تھی کہ کوئی بڑا نقصان نہ ہوا لیکن نئی گاڑی پر ڈینٹ پڑ گئے تھے اور ابا نے ٹھیک ٹھاک جھاڑ پلادی تھی۔
"اب اپنی ہی گاڑی میں بیٹھوں گا۔"
"ضرور مجھے خوشی ہوگی۔"
اور میں بھی ابا کا بیٹا تھا میں نے ان چند ماہ میں ابا کی گاڑی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ اماں کو بھی کہیں لے کر جانا ہوتا تو بائیک پر گھسیٹتا پھرتا تھا لیکن آج ساری انا و نا بھول گیا تھا۔

❁......❁......❁

"یہ محبت آدمی کو بڑا خوار کرتی ہے یار! یہ انا و نا سب محبت کے سامنے خاک میں مل جاتی ہے۔" یہ گوشی کا ایک اور مقولہ تھا جو اگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے پھر سے ذہن میں آیا تھا۔
"بھلا اب یہاں محبت کا کیا ذکر۔" میں جھنجلایا۔
اور یہ گوشی اسے تو چاہیے کہ اپنے اقوال کی ایک کتاب چھپوالے۔ اب وہ بے چاری اس شہر میں اجنبی ہے اور خالہ کو ضرور کوئی مسئلہ ہوگا ورنہ وہ ہی لے جائیں اس کو ہسپتال اب اگر انسانیت کے ناتے میں جا رہا ہوں وہ بھی اماں کے کہنے پر تو بھلا اس میں میری انا کہاں سے آ گئی۔ میں کون سا ابا کی گاڑی اپنے لیے لے کر جا رہا ہوں۔ میں نے خود کو مطمئن کرلیا تھا اور گاڑی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔
خالہ اور عطیہ آپا لاؤنج میں بیٹھی تھیں اور سامنے آہستہ آواز میں ٹی وی چل رہی تھا۔
"السلام علیکم!" سلام کر کے میں نے چاروں طرف دیکھا۔
"وعلیکم السلام! بیٹھ جاؤ بیٹا!" خالہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"نہیں خالہ میں گاڑی اندر نہیں لایا' آپ ماہ نور کو لے کر آئیں اور بتائیں کس ہسپتال جانا ہے۔"
"لاک تو کی ہے نا؟" خالہ نے پریشانی سے پوچھا۔ ان کی گاڑی ایک بار گھر کے باہر سے چوری ہوچکی تھی۔
"جی خالہ آپ ماہ نور کو لے آئیں۔"
"ارے نہیں بیٹا! وہ تو سوگئی ہے تم بیٹھ جاؤ۔ اللہ بھلا کرے' اِدھر پڑوس میں ایک نرس رہتی ہے۔ اچانک ہی خیال آ گیا اس کا' اس نے آ کر انجکشن لگادیا۔ بچی بے چاری درد سے بے حال ہو رہی تھی' اب سکون ملا ہے تو سوگئی ہے۔ بہت ظالم درد ہوتا ہے بیٹا! برداشت نہیں ہوتا اس سے۔" عطیہ آپا نے معذرت طلب نظروں سے مجھے دیکھا۔
"ماہی نے منع بھی کیا تھا کہ فریدہ آنٹی کو فون نہ کریں لیکن تمہاری خالہ گھبرا گئی تھیں۔ بیٹھ جاؤ نا بیٹا کھڑے کیوں ہو؟" خالہ نے مجھے بدستور کھڑے دیکھ کر کہا۔
"نہیں خالہ بیٹھوں گا نہیں اب چلوں گا۔" بظاہر میں نے نارمل لہجے میں کہا لیکن اندر ہی اندر میں بہت جھنجلایا ہوا تھا۔
"ویسے بہتر نہیں تھا کہ آپ کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرلیتیں اب نرس نے کوئی پین کلر لگادیا ہوگا۔ اثر ختم ہوگا تو پھر درد شروع ہوجائے گا' خدانخواستہ کوئی......"
"ارے نہیں بیٹا انجکشن تو ڈاکٹر نے ہی لکھ کر دیا ہوا ہے کہ جب درد ہو تو لگوالیا کریں۔" عطیہ آپا نے بتایا اور پھر میں خالہ کے اصرار کے باوجود وہاں نہیں رکا تھا۔ راستے میں دو بار تو حادثہ ہوتے ہوتے بچا' اگر خدانخواستہ کوئی ٹکر وکر ہوجاتی تو ابا نے نہیں چھوڑنا تھا مجھے' میں نے گھر آ کر گاڑی کی چابی غصے سے صوفے پر پھینکی۔
"ارے کیا ہوا صائم! جلدی آ گئے' کیسی ہے ماہ نور؟" اماں نے کچن سے ہی آواز لگا کر پوچھا وہ غالباً کچن میں کھانا تیار کر رہی تھیں کیونکہ آٹھ بج رہے تھے اور ابا رات کا کھانا آٹھ بجے ہی کھاتے تھے۔
وہ صافی سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کچن سے باہر آئیں اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔
"میرے جانے تک سوچکی تھیں اور جو بھی تکلیف تھی

ختم ہوچکی تھی۔'' میں نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے مڑ کر اماں کی طرف دیکھا جو حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھیں اور پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے انہوں نے کچن کی طرف واپس جاتے ہوئے کہا۔

''میں کھانا لگانے لگی ہوں تم بھی آ جاؤ۔'' اور ساتھ ہی وہ گڑیا کو آواز دینے لگی تھیں جو شاید ابا کے کمرے میں تھی۔ اس کی عادت تھی کہ جب تک ابا کو دن بھر کی روداد نہ سنالی تھی اسے آرام نہ آتا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے آپ لوگ کھالیں۔''

میں دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا جو فرسٹ فلور پر تھا' پتا نہیں مجھے کس بات پر غصہ تھا مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ میں گوشی کو بھی فون کر کے ایک ایمر جنسی کا کہہ کر پروگرام کینسل کر چکا تھا حالانکہ کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اور سب گوشی کے گھر میرے منتظر تھے اور اب اس کی مسلسل کالز آ رہی تھیں' میں نے فون آف کر دیا اور لیٹ گیا لیکن نیند آنکھوں سے روٹھی ہی رہی' بار بار اس کا خیال آ جاتا۔

''پتا نہیں اسے کیا بیماری ہے مجھے خالہ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔'' مجھے اپنے آپ پر غصہ آیا کہ پوچھ لیتا تو یوں الجھن نہ ہوتی اور آرام سے سو جاتا۔ میرا خیال تھا کہ نیند نہ آنے کی وجہ یہی ہے کہ میرے اندر کہیں الجھن ہے کہ اسے کیا بیماری ہے خالہ بھی تو ادھوری بات کرتی ہیں۔ ضرور گوشی کو پتا ہوگا اس کا تو خالہ کے گھر کافی آنا جانا تھا اور پھر گوشی کے ددھیال والے بھی قصور میں رہتے تھے اور جہاں تک مجھے یاد آ رہا تھا گوشی کے ددھیالی رشتہ داروں میں ہی کہیں عطیہ آپا کی شادی ہوئی تھی۔ میں اماں اور خالاؤں کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیتا تھا پھر بھی کوئی نہ کوئی بات اڑتی ہوئی کان میں پڑ جاتی تھی۔ بلآخر میں کسی نہ کسی حد تک خود کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا اور صبح کے قریب کہیں مجھے نیند آ ہی گئی لیکن خواب میں بھی دو بھیگی پلکوں والی آنکھیں مجھے ڈسٹرب کرتی رہیں۔

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی تھی اس لیے میں یونیورسٹی نہیں گیا چونکہ میں نے فون بھی آف کر رکھا تھا اس لیے گیارہ بجے کے قریب جب میں ناشتا کر رہا تھا گوشی آ گیا۔

''تم یہاں مزے سے ناشتا کر رہے ہو اور مارے پریشانی کے مجھے نہ رات بھر ٹھیک سے نیند آئی نہ صبح ڈھنگ سے ناشتا کیا۔ بھاگم بھاگ یونیورسٹی گیا تو وہاں بھی جناب غائب' اب جلدی سے بتا کیا ایمر جنسی ہو گئی تھی۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''ناشتا کرو۔'' میں نے اسے دعوت دی۔

''نہیں یار صرف چائے پی لوں گا' تم بتاؤ پروگرام بنا کر کہاں غائب ہو گئے تھے اور کیا ہوا تھا؟''

''کچھ نہیں یار۔'' میں نے بے پروائی سے اس کی طرف دیکھا۔

''اماں نے صالحہ خالہ کے گھر بھیجا تھا ان کے گھر کوئی مہمان آئے ہوئے تھے اور ہسپتال لے کر جانا تھا۔''

''کون مہمان...... بڑی خالہ کے گھر تو عطیہ چچی اور ماہ نور آئے ہوئے ہیں' کیا ماہی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی؟''

پتا نہیں کیوں مجھے گوشی کے لبوں سے ماہی کا نام ناگوار لگا۔

''ہاں وہی خالہ نے فون کیا تھا اس کی طبیعت خراب تھی۔''

''اب کیسی ہے وہ؟''

''ٹھیک تھی' میرے پہنچنے سے پہلے ہی کسی پڑوسن نرس نے انجکشن لگا دیا تھا۔''

''خیر یہ تو رات کی ایمر جنسی تھی اب صبح کیا ہو گیا تھا۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

رات دیر تک جاگتا رہا آنکھ نہیں کھلی۔ میں نے چائے بنا کر اس کی طرف بڑھائی' گوشی بہت گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ماہی بہت ذہین ہے۔''

''تو......'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے اس کی ذہانت سے کیا؟''

''ہاں میں نے تو یوں ہی بتایا ہے ویسے تم

ماہی سے۔''

''نہیں محترمہ پردا کرتی ہیں شاید۔'' میں نے شاید جل کر کہا تھا کہ گوشی نے بے اختیار میری طرف دیکھا۔

''یہ تم چنے کیوں چبا رہے ہو؟''

''سوری' میرا موڈ خراب ہے۔''

''اس خرابی کی وجہ ہی تو جاننا چاہتا ہوں۔''

''شاید نیند کی کمی۔'' خواہش کے باوجود میں گوشی سے ماہ نور کے متعلق کچھ بھی نہ پوچھ سکا' شاید میں اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں ماہ نور میں دلچسپی لے رہا ہوں۔

''چلو پھر تم اپنی نیند پوری کرو' میں چلتا ہوں۔''

''کہاں...... گھر یا یونیورسٹی۔''

''یونیورسٹی اب جا کر کیا کروں گا' صالحہ خالہ کی طرف جاؤں گا۔ ماہی کا حال احوال پوچھ لوں جب سے عطیہ چچی آئی ہیں صرف ایک بار گیا ہوں۔'' میں نے سر ہلایا لیکن پھر سے اندر عجیب سی گھبراہٹ اور پریشانی شروع ہوگئی تھی۔

''گوشی وہاں جائے گا ماہ نور سے باتیں کرے گا اور......'' پتا نہیں ذہن میں کیا کیا خیال آ رہے تھے' گوشی چلا گیا تو میں کچھ دیر یونہی بے چین سا رہا پھر فیس بک کھول کر بیٹھ گیا لیکن آج تو وہاں بھی میرے لیے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تھک کر آنکھیں موند کر لیٹ گیا۔ اماں دو تین بار میرے کمرے میں آئیں' پیشانی پر ہاتھ رکھ کر میرا بخار چیک کیا' پیار سے پوچھا۔

''صائم اس طرح کیوں لیٹے ہو بیٹا!''

''ایسے ہی اماں سونا چاہتا ہوں' نیند نہیں آئی تھی رات اور ابھی بھی نہیں آ رہی۔'' اماں نے گڑیا کے ہاتھ گرم دودھ میں بادام ڈال کر بھیج دیئے۔

''اماں کہہ رہی ہیں یہ پی لیں' دماغ پرسکون ہو جائے گا اس سے۔'' گڑیا دودھ رکھ کر چلی گئی اور میں ایک بار پھر آنکھیں موند کر اس کے متعلق سوچنے لگا۔

اگلے دو تین دن تک میں اپنی دانست میں اس کا خیال جھٹکنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن جب ٹھیک چوتھے دن میری بائیک خالہ کے گھر والی اسٹریٹ میں داخل ہوئی تو میں نے چونک کر پاؤں بریک پر رکھا۔

''یہ کیسی بے اختیاری تھی۔'' میں حیران ہوا' چونکہ گھر سے تو میں یونہی نکلا تھا بقول گوشی کے روڈ ماسٹری کرنے دراصل پڑھتے پڑھتے دل گھبرایا تو گھر سے نکل پڑا تھا سوچا تھا ذرا سا گھوم پھر کر آتا ہوں تو فریش ہو جاؤں گا۔

کب میں نے بائیک کا رخ خالہ کے گھر کی طرف کیا تھا مجھے اندازہ نہیں ہوا تھا۔ یہ سب بے خودی میں ہوا تھا۔

''محبت بے اختیاری ہے۔'' گوشی کہتا تھا۔ اس میں آدمی کے پاس اختیار نہیں رہتا' بس محبت اسے جہاں لے جائے چل پڑتا ہے' جو کہے کرتا ہے۔''

''یہ گوشی بھی نا۔'' میں نے ہولے سے سر جھٹکا' خالہ کے گھر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا سو میں نے واپسی کا سوچا تب ہی خالو نظر آئے وہ غالباً مسجد سے نماز پڑھ کر آ رہے تھے اور انہوں نے مجھے دیکھ بھی لیا تھا۔

''ارے صائم بیٹا کیسے ہو؟''

''جی السلام علیکم خالو' اللہ کا شکر ہے۔''

''اِدھر کہاں؟''

''وہ خالو یہاں آگے ایک دوست رہتا ہے اس کے ساتھ مل کر کمبائن اسٹڈی کر رہا ہوں تو اب واپس گھر جا رہا تھا۔''

''تو یار آؤ گھر کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہیں۔'' وہ ایسے ہی بے تکلف سے تھے۔

''جی وہ......''

''ارے یار یہ جی وہ چھوڑو آؤ۔'' وہ بائیک پر بیٹھ گئے اور دو منٹ بعد ہم خالہ کے گھر میں تھے۔

''ارے صالحہ دیکھو میں کسے پکڑ لایا ہوں؟'' خالہ کی آنکھوں میں حیرت نمودار ہوئی۔

''حضرت روز آتے ہیں یہاں کسی دوست کے ساتھ مل کر پڑھتے ہیں' چوروں کی طرح گھر کے پاس سے جا رہے تھے' میں نے دیکھ لیا۔'' خالہ کی آنکھوں کی حیرت شکوے میں بدل گئی۔

''تو خالہ کے گھر کے سامنے سے گزر جاتے ہو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ دو گھڑی کے لیے اندر آ کر سلام ہی کرلو۔'' وہ خالہ روز روز آنا اچھا نہیں لگتا۔ میں نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔

''حالانکہ جب اس اسٹریٹ میں داخل ہوتا ہوں تو جی چاہتا ہے کھڑے کھڑے آپ کو سلام کر جاؤں۔''

''لو اور سنو......'' خالہ نے خالو کی طرف دیکھا۔ ''اب سگی خالہ کے گھر بھی آنا اچھا نہیں لگتا' غیروں والی بات کی تم نے صائم!'' اب وہ میری طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

ہم باتیں کرتے کرتے لاؤنج میں داخل ہوئے اور میری نظروں نے سب سے پہلے اسے ہی اپنے حصار میں لیا تھا' وہ بالکل سامنے ہی صوفے پر بیٹھی تھی اور گود میں کوئی کتاب کھولے پڑھ رہی تھی۔ مجھے لگا جیسے میرے اردگرد روشنیاں سی ہوگئی ہوں اور اندر کہیں چراغاں ہوگیا ہو۔ اتنے دنوں سے جو دل پر بوجھ سا تھا وہ جیسے ایک دم ختم ہوگیا ہو۔

''السلام علیکم!'' میں نے سلام کیا تو اس کی نظریں ذرا کی ذرا اوپر اٹھیں اور اس کے لب وا ہوئے اور اس نے آہستگی سے سلام کا جواب دیا تھا۔

''یار تم ہی خرم کو سمجھاؤ ہماری تو نہیں سنتا۔'' خالو نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود بھی بیٹھ گئے۔

''کیا خالو......''

''ارے یہی کہ اب وطن لوٹ آئے پڑھائی ختم ہوگئی ہے تو اب نوکری کا شوق چرایا ہے اور وہاں ہی کل کلاں کو شادی کرلے گا اور ہم بڈھا بڈھی اس کی دید کی حسرت لیے اگلے جہان سدھار جائیں گے۔ پیسہ دولت کس چیز کی کمی ہے سب اسی کا تو ہے' پڑھنے کا شوق تھا پورا ہوگیا اب آجائے۔'' میں نے خالو کا دکھ اپنے دل میں محسوس کیا۔

''جی بات کروں گا میں خرم بھائی سے۔'' تب ہی خالو کا فون آگیا اور وہ اپنے سیل فون پر بات کرتے ہوئے لاؤنج سے باہر نکل گئے تو میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

ذرا سوچیے

❁ اگر زندگی اتنی ہی پیاری ہوتی تو لوگ زندگی کے پیچھے بھاگتے ہی کیوں؟

❁ اگر موت اتنی ہی آسان ہوتی تو لوگ موت سے ڈرتے ہی کیوں؟

❁ اگر بھوکے کو کھانا کھلانا اتنا ہی آسان ہوتا تو آج دنیا میں کوئی بھوکا نہ مرتا۔

❁ اگر انصاف حاصل کرنا اتنا ہی آسان ہوتا تو اسے پانے کے لیے لوگوں کو اپنی جانوں کا نذرانہ نہ دینا پڑتا۔

❁ اگر عزت لینا اور عزت پانا اتنا ہی آسان ہوتا تو آج دنیا میں کوئی بے عزت نہ کہلاتا۔

طیبہ حنیف بٹ......سمندری

المیہ

کیا بتاؤں ہیں کیا یہ؟
بے چینیاں
خاموشیاں
رتجگے
اداسیاں
بس اتنا جان لو تم......
میں......
آج کل
سزائے محبت کی دسترس میں ہوں......

سامعہ ملک پرویز......ٹیکسلا

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

''اس روز آپ کو زحمت ہوئی امی نے بتایا تھا آپ آئے تھے۔''

''نہیں زحمت کیسی؟'' میں مسکرایا تب ہی عطیہ آپا لاؤنج میں آگئیں میں نے کھڑے ہو کر سلام کیا اور انہوں نے حسب معمول دعا دی اور پھر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

''ارے ماہی یہ صائم ہے نا اسی سے پوچھ لو جو سمجھ نہیں آ رہا۔''

وہ ابھی رہنے دیں میں یہ سوال چھوڑ دوں گی اگر آ گیا تو......'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

''کیا مسئلہ ہے ماہ نور بتایئے مجھے۔'' وہ کچھ چیزیں انگلش گرائمر میں سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

''لائیے دیکھتا ہوں۔'' میں اٹھ کر اس کے قریب آیا اور کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی اور کچھ دیر بعد میں اسے سمجھا رہا تھا۔ خالو فون کر کے آئے تو مجھے ماہی کو پڑھاتے دیکھ کر بولے۔

''ہاں ٹھیک ہے تم فارغ ہو کر میرے کمرے میں آ جانا بلکہ تم ایسا کیوں نہیں کرتے ادھر سے تو روز ہی گزرتے ہو اگر تمہارا حرج نہ ہو تو کچھ تیاری کروا دو اسے خود ہی پڑھا ہے کوئی ٹیوشن بھی نہیں لی۔ بہت لائق بچی ہے ہماری کالج میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔''

''جی ضرور میں آ جایا کروں گا ادھر سے ہی تو گزرتا ہوں۔'' میرے اندر تو جیسے کلیاں چٹک رہی تھیں۔

''نہیں ماموں خوامخواہ انہیں تکلیف ہوگی میں کر لوں گی۔'' اس نے خالو کی طرف دیکھا۔

''اپنا بچہ ہے کوئی غیر تو نہیں ہے دو لفظ پڑھا دے گا تو کچھ نہیں ہوگا۔'' خالو اپنے کمرے میں چلے گئے اور میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے تو زحمت نہیں ہوگی ہاں اگر آپ پڑھنا نہیں چاہتیں تو یہ الگ بات ہے۔''

''نہیں بھلا میں کیوں...... میں تو آپ کے خیال سے......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور یہ اس کی عادت تھی وہ یونہی ادھورے نامکمل جملے بولتی تھی اور اس کا یہ انداز بھی میرے دل میں کھب جاتا تھا اور اس روز جب میں خالہ کے گھر سے نکلا تو بے حد خوش تھا' خوشی کی ننھی ننھی کلیاں جیسے میرے اندر رقص کرتی تھیں۔

تقریباً دس دن تک میں بلاناغہ اسے پڑھانے جاتا رہا' مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی تیاری اچھی خاصی ہے اسے بہت زیادہ مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ واقعی ذہین تھی' ان دس دنوں میں ہمارے درمیان بہت زیادہ بے تکلفی تو نہیں ہوئی تھی تاہم کورس سے ہٹ کر بھی کچھ بات چیت ہو جاتی تھی' اس کے مشاغل' دلچسپیاں' خواب سب میں نے کرید کرید کر پوچھے تھے۔

محبت اگر پہلی نظر میں ہو گئی تھی تو ہر گزرتا دن اس میں اضافہ کرتا جا رہا تھا لیکن اس کے رویے سے مجھے کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا تھا کہ اس کے دل میں بھی میرے لیے کچھ ایسا خیال ہے۔ میرے آنے سے پہلے ہی وہ لاؤنج میں کتابیں کھولے بیٹھی ہوتی تھی میں نے ایک بات محسوس کی تھی کہ وہ کبھی اٹھی نہیں تھی' بندہ اخلاقاً ہی کسی کو رخصت کرتے وقت دروازے تک چلا جاتا ہے یا کھڑا ہی ہو جاتا ہے لیکن وہ بیٹھی رہتی تھی۔

ہاں عطیہ آپا گیٹ تک رخصت کرنے آتیں لیکن اس کی یہ بے نیازی بھی اٹریکٹ کرتی تھی اور دل اسکی اور ہمکتا تھا' ان دنوں میں بے حد خوش تھا جیسے ہواؤں میں اڑ رہا ہوں۔ گوشی نے کئی بار معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا' باتوں باتوں میں کھوجنا چاہا لیکن میں نے بھید نہیں دیا۔

''کیا بات ہے صائم ڈیئر! تمہاری آنکھیں یہ کیا کہانیاں سنا رہی ہیں۔'' اس روز کیفے ٹیریا کی طرف جاتے ہوئے اس نے پوچھ ہی لیا۔

''کیا کہانیاں......؟'' میں انجان بن گیا۔

''یہ کہ ان آنکھوں میں کوئی بس گیا ہے۔''

''ایک تم محبت کیا کر بیٹھے ہو ہر دوسرا بندہ تمہیں محبت کا مارا لگتا ہے۔''

''ہر دوسرا بندہ نہیں یار تم' تم لگ رہے ہو۔''

''وہم ہے تمہارا۔''

''میں نے ٹال دیا تھا لیکن میرا دل تو چیخ چیخ کر محبت کا اعتراف کر رہا تھا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

اس روز یونیورسٹی سے واپسی پر میں پھر خالہ کے گھر چلا گیا تھا حالانکہ ماہ نور کا آخری پیپر ہو گیا تھا لیکن اس روز

انہیں واپس قصور جانا تھا اور دل اسے جانے سے پہلے دیکھنے کے لیے مچلا تو میں دل کی بات مان کر چل پڑا تھا لیکن اس روز مجھ پر جو انکشاف ہوا اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اس روز بھی وہ لاؤنج میں بیٹھی اور ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

''ارے آپ......؟'' اس نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز بند کی۔

آج پہلی بار میں نے اس کی آواز میں ایک کھنک سی محسوس کی تھی، شاید پیپرز ختم ہو جانے سے وہ ریلیکس ہو گئی تھی۔

''میں آج آپ کی توقع نہیں کر رہی تھی، میرا خیال تھا آج آپ جان چھوٹ جانے کا جشن منا رہے ہوں گے۔''

''کیا کبھی آپ کو ایسا لگا ماہ نور کہ میں دل پر جبر کر کے آپ کو پڑھا رہا ہوں، میں کوئی بھی کام مجبوراً نہیں کرتا بلکہ دل کی پوری رضامندی اور خوشی سے کرتا ہوں۔''

''سوری......'' وہ نادم ہوئی۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا، آپ کو میری بات بُری لگی تو......''

''نہیں......'' میری نظروں نے والہانہ اس کے چہرے کا طواف کیا۔

''مجھے آپ کی کوئی بات بُری نہیں لگ سکتی ماہ نور اور مجھے ادھر ہی آنا تھا تو میں نے سوچا کہ آپ لوگ آج کل میں چلے جائیں گے تو مل آؤں۔'' وہ خاموش ہو گئی اور لمحہ بھر یونہی نظریں جھکائے گود میں دھرے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھتی رہی۔ میں نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں شاید وہ میرے اس طرح دیکھنے سے کنفیوژ ہو رہی تھی۔ یکا یک اس نے عطیہ آپا کو بلا کر کچھ کہا تب ہی میں نے دیکھا کہ عطیہ آپا ایک وہیل چیئر دھکیل کر اندر لا رہی تھیں۔ خالہ بھی ان کے ساتھ تھیں اس چیئر پر اس سے پہلے بھی ایک دو بار میری نظر پڑی تھی لیکن میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ چیئر ماہ نور کی ہو گی۔

عطیہ آپا چیئر ماہ نور کے صوفے کے قریب لائی تھیں، خالہ اور عطیہ آپا نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے

مسکراہٹیں

استاد: ''10 کیمیکل ایلیمنٹس کے نام بتاؤ؟''

شاگرد: ''ہائیڈروجن، آکسیجن، کلورین، فلورین، برومین، نورین، امبرین، نسرین اور پروین۔''

نوشابہ اکبر...... مٹھیاں، اٹک

حلوہ

ایک مولوی بس میں جا رہا تھا، اگلی سیٹ پر بیٹھی عورت بار بار اپنے بچے کو کہہ رہی تھی۔ ''بیٹا یہ حلوہ کھالو ورنہ میں اس مولوی کو دے دوں گی۔''

جب چوتھی بار عورت نے کہا تو مولوی تنگ آ کر بولا ''بی بی جلدی فیصلہ کر لو تمہارے حلوے کے چکر میں میں 4 اسٹاپ آگے آ گیا ہوں۔''

مسکان جاوید اینڈ ایمان...... نور کوٹ، سمابہ

خوف خدا

منصور بن عمار کو کسی نے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا ''تم پر کیا گزری؟''

انہوں نے جواب دیا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے سامنے کھڑا کر کے فرمایا 'اے منصور تُو جانتا ہے میں نے تجھے کیوں بخشا ہے؟''

میں نے عرض کیا ''یا ربّ مجھے خبر نہیں۔''

پھر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ایک دن تُو بیٹھا ہوا بہت سے آدمیوں کو وعظ و نصیحت کر رہا تھا اور یہ باتیں سنا کر رلا رہا تھا، ان میرے بندوں میں سے ایک بندہ خوف سے ایسا رویا جو پہلے کبھی نہ رویا تھا، میں نے اسے بخش دیا اور اس کی وجہ سے تجھ کو اور تمام مجلس کو بخش دیا۔'' (سبحان اللہ)

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

اٹھایا اور اس چیئر پر بیٹھنے میں مدد کی۔ میں حیرت زدہ سا دیکھتا رہا اور جب عطیہ آپا اس کی چیئر دھکیلتی ہوئی جا رہی تھیں تو اس نے مڑ کر جتاتی نظروں سے مجھے دیکھا۔

گوشی کہتا تھا عورت مرد کی نظر پہچانتی ہے جب مرد کی پہلی نظر اس پر پڑتی ہے تو اسے پتا چل جاتا ہے کہ اس کی

نظر میں محبت ہے یا ہوس' نفرت ہے یا پیار۔

تو کیا ماہ نور بھی میری نظروں کو پہچانتی ہے اور کیا اس نے عطیہ خالہ کو اس لیے بلایا تھا کہ وہ چاہتی تھی کہ میں اسے دیکھ لوں کہ وہ ایک معذور لڑکی ہے۔ اس کی نظریں جتاتی ہوئی کچھ کہہ رہی تھیں۔

"دیکھو ایسی ہوں میں' اپنی ٹانگوں پر کھڑی نہیں ہوسکتی' کیا اب بھی ان ہی نظروں سے دیکھو گے۔"

"ہاں......" میں نے بزبانِ خاموشی کہا۔

"ہاں اب بھی بھلا محبت یہ سب کب دیکھتی ہے۔" گوشی کی کہی ہوئی باتیں میرے اندر گونج رہی تھیں۔

"محبت نہ عمروں کا حساب کرتی ہے نہ سود و زیان کے چکر میں پڑتی ہے' وہ تو بس جب ہوتی ہے تو ہو جاتی ہے۔"

"آہ بے چاری ماہی......" خالہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر جانے لگیں تو میں نے ان کی طرف دیکھا۔

"خالہ یہ ماہ نور...... یہ کیا پیدائشی......"

"ارے بیٹا تمہیں نہیں پتا ماہی کے ساتھ کیا حادثہ ہوا تھا۔ سارے خاندان کو تو پتا تھا' مہینوں خاندان میں ذکر ہوتا رہا' کالج وین ٹرک سے ٹکرائی تھی چار لڑکیاں تو موقع پر ہی ختم ہوگئی تھیں' دو تین کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں اپنی ماہی کی ریڑھ کی ہڈی پر ایسی چوٹ لگی حرام مغز متاثر ہوا اپنے پاؤں پر کھڑی ہی نہیں ہو پائی۔ کہاں کہاں آپا اور بھائی صاحب لے کر نہیں گئے۔" میرے دل میں جیسے کوئی دکھ کا بھالا سا گڑھ گیا' مجھے یاد آیا گھر میں چند سال پہلے ایسا کچھ ذکر تو ہوا تھا لیکن میں بھلا کہاں خاندان کے ان قصوں پر دھیان دیتا تھا۔ اماں بتاتی رہتی تھیں فلاں کے گھر یہ ہوا' فلاں کے ہاں یہ لیکن میں نے کبھی توجہ ہی نہیں دی تھی۔

"اس وقت فرسٹ ائیر میں پڑھتی تھی' مہینوں ہسپتالوں کے دھکے کھائے ہم نے۔" خالہ بے حد دکھی ہو رہی تھیں۔

تب ہی تو اس کی آنکھیں کبھی کبھی یوں لگتی تھیں جیسے ان میں سمندر ہلکورے مارتا ہو اور پانی کناروں سے باہر آنے کو بیتاب ہو رہا ہو اور یہ اس کے چہرے کا حزن ہی تھا جس نے پہلی بار مجھے متوجہ کیا تھا اور میں......

"خالہ......" میں بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں ذرا ماہ نور سے مل لوں' صبح تو وہ چلی جائے گی۔"

"ہاں ہاں بیٹا چلے جاؤ' مل لو' بہت عزت کرتی ہے تمہاری اور بہت تعریف بھی کہ تم نے بہت اچھی طرح تیاری کروائی صرف چند دنوں میں۔"

"خالہ میں نے کیا تیار کروائی تھی چند دنوں میں' وہ خود ہی بہت ذہین ہے۔"

عطیہ آپا ماہ نور کو کمرے میں چھوڑ کر باہر آچکی تھیں' میں نے ماہ نور کے کمرے کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ماہ نور کی آواز آئی۔

"آجائیں......" جیسے وہ جانتی تھی کہ میں ضرور آؤں گا' وہ وہیل چیئر پر بیٹھی تھی اور اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"ماہ نور......" میں بے اختیار اس کی طرف بڑھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ چند سال پہلے ہونے والے حادثے پر کیا کہوں۔"

"کیا بہت شاک لگا ہے؟" اس نے نظریں اٹھائیں۔

"ہاں۔" میں نے اعتراف کیا۔

"میرے علم میں بالکل نہیں تھا کہ تم...... آپ......"

"مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔"

"کیا ڈاکٹر بالکل ناامید ہیں؟" میں نے پوچھا تو اس نے صرف سر ہلایا تھا۔

"کیا باہر یورپ یا امریکہ میں بھی علاج نہیں۔"

"پتا نہیں لیکن میں نے تقدیر کے اس فیصلے کو قبول کرلیا ہے اور فیصلہ کرلیا ہے کہ اپنی اس معذور زندگی کو کسی کے لیے بوجھ نہیں بناؤں گی۔" وہ ذرا سا مسکرائی تھی۔

"ایک سال پورا ایک سال بہت روئی تھی' پھر نہیں......"

"اور رونا بھی نہیں۔" میرے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"میں تمہیں کبھی رونے نہیں دوں گا ماہ نور!" ماہ نور نے

چونک کر مجھے دیکھا۔

اتنے سارے دنوں سے جو بات اندر کہیں دل کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی تھی وہ یکدم لبوں پر آ گئی۔

''میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں ماہ نور! شاید اسی روز سے جب پہلی بار تمہیں دیکھا تھا' تمہاری بھیگی پلکیں نیزے کی طرح میرے دل میں کھب گئی تھیں۔'' ماہ نور خاموش رہی تھی وہ شاید جانتی تھی گوشی صحیح کہتا تھا کہ عورت مرد کی نظر پہچانتی ہے۔

''ماہ نور پلیز میری بات کا بُرا نہ منانا لیکن انسان دل اور محبت کے معاملے میں بالکل بے بس ہوتا ہے' میں بھی بے بس ہو گیا ہوں۔'' میں گوشی کی زبان بول رہا تھا۔

''کیا اب بھی......؟'' اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں' شاید وہ مجھے آزما رہی تھی۔

''ہاں اب بھی۔'' میں جذباتی ہوا۔

''محبت یہ سب کہاں دیکھتی ہے ماہ نور! محبت کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ......''

''یہ صرف کہنے کی باتیں ہوتی ہیں ورنہ کوئی بھی میرے جیسا بوجھ اٹھا کر ساری زندگی نہیں چل سکتا۔'' اس نے میری بات کاٹی۔

''لیکن میں چلوں گا ماہ نور...... عمر بھر تمہارے ساتھ' اس لیے کہ محبت کبھی بوجھ نہیں ہوتی۔ رفاقت تب بوجھ لگتی ہے جب درمیان میں محبت نہ ہو' تم میری محبت کو قبول کر لو ماہ نور! اور مجھے اجازت دو تو میں آج ہی اماں اور ابا سے بات کرتا ہوں۔'' وہ سر جھکائے اپنی ہاتھ کی انگلیوں کو مسل رہی تھی' میں اسے دیکھ رہا تھا اس کی مومی انگلیوں والے ہاتھوں کو اور اس کی لمبی پلکوں کو جن کے گھنے سائے اس کے رخساروں پر لرز رہے تھے۔ کچھ دیر وہ یونہی سر اٹھائے بیٹھی رہی اور پھر سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''آپ بہت اچھے انسان ہیں صائم بھائی لیکن میں آپ کی محبت کو قبول نہیں کر سکتی کیونکہ میں آپ سے محبت نہیں کر سکتی...... نہیں کرتی۔'' مجھے لگا جیسے میں اچانک زلزلوں کی زد میں آ گیا ہوں۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے

غزل

عکس کتنے اتر گئے مجھ میں
پھر نجانے کدھر گئے مجھ میں
میں وہ پل تھا جو کھا گیا صدیاں
سب زمانے گزر گئے مجھ میں
یہ جو میں ہوں ذرا سا باقی ہوں
وہ جو تم تھے وہ مرگئے مجھ میں
میرے اندر تھی ایسی تاریکی
آ کے آسیب بس گئے مجھ میں
میں نے چاہا تھا زخم بھر جائیں
زخم ہی زخم بھر گئے مجھ میں
پہلے اترا میں دل کے دریا میں
پھر سمندر اتر گئے مجھ میں
کیسا خاکہ بنادیا مجھ کو
کون سا رنگ بھر گئے مجھ میں
میری یکجائی معجزہ ہے کوئی
کتنے جلسے بکھر گئے مجھ میں

عماد اقبال...... کراچی

اسے دیکھ رہا تھا' اس نے پھر سر جھکا لیا تھا اور اب جھکے سر کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''میں تو یونہی جانچ رہی تھی کہ کیا واقعی دنیا میں ایسے انسان ہیں جو مجھ جیسی لڑکی کی رفاقت کو بوجھ نہیں سمجھتے اور مجھے یقین آ گیا کہ مبشر سچ کہتا ہے۔'' میں اس کی بات کو سن رہا تھا لیکن مجھے لگ رہا تھا جیسے بہت دور سے اس کی آواز آ رہی ہو۔ میرے اندر میری انا کا ناگ پھن پھیلائے پھنکار رہا تھا۔ میرے جیسے لڑکے کی محبت کو ایک معذور لڑکی نے ٹھکرا دیا تھا۔

اکلوتا' دولت مند' خوب صورت...... میں زخمی ناگ کی طرح تڑپ رہا تھا۔

''آپ کو یقیناً میری بات سے دکھ پہنچا ہو گا لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری معذور جان کر بھی...... ورنہ میں

ابتداء میں ہی روک دیتی۔ آپ کو کوئی بھی لڑکی مل سکتی ہے جو آپ کی رفاقت پر فخر کرسکتی ہے لیکن میں...... میں اپنے شوہر سے محبت کرتی ہوں۔ میرا نکاح میری پھوپی کے بیٹے مبشر سے ہوچکا ہے۔ وہ پڑھنے کے لیے امریکہ جارہا تھا اس لیے جانے سے پہلے نکاح ہوگیا تھا اس حادثے کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ رخصتی کے بعد بھی یہ حادثہ ہوسکتا تھا تب کیا وہ مجھے چھوڑ دیتا۔ اب بھی نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ کہ میں اس کی بیوی ہوں۔ اس نے کہا وہ زندگی کی آخری سانس تک یہ رشتہ نبھائے گا لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ آج کی دنیا میں...... اس مادی دنیا میں کوئی ایسا بھی ہوسکتا ہے لیکن اب مجھے یقین آگیا ہے کہ مبشر سچ کہتا ہے۔'' مسکراہٹ اس کے لبوں پر کسی پھول کی طرح کھلی اور آنکھوں میں جگنو دمک اٹھے لیکن مجھے لگا تھا جیسے میرے اندر کوئی فلک بوس عمارت اچانک گرگئی ہو اور ملبے کی گرد اور دھول سے میرا سانس رکتا ہو۔

''سوری ماہ نور......'' بمشکل میرے لبوں سے نکلا۔ ''اگر مجھے علم ہوتا تو میں کبھی بھی......'' اس کی طرح بات ادھوری چھوڑ کر میں تیزی سے کمرے سے نکلا تھا پھر مجھے نہیں پتا کہ میں کس طرح گھر پہنچا تھا کیسے اپنے کمرے تک آیا تھا اور پھر کتنے ہی دن میں اپنی اس نئی نویلی محبت کا غم مناتا رہا اور خود کو یقین دلاتا رہا کہ مجھے ماہ نور سے محبت نہیں تھی، میں بھلا کیسے محض ایک نظر میں اس کی محبت میں مبتلا ہوسکتا ہوں اور ہوا بھی تھا تو میں ایک معذور لڑکی سے کیسے محبت کرسکتا ہوں جو زندگی کی شاہراہ میں قدم سے قدم ملا کر میرے ساتھ نہ چل سکتی ہو اور جس کا بوجھ عمر بھر مجھے ڈھونا پڑے، میں گوشی کے کزن کی طرح احمق نہیں تھا۔ یہ محض وقتی جذبہ تھا وہ ایک پرکشش لڑکی تھی تو...... گوشی نے کئی بار میری آنکھوں میں جھانکا۔

''کہیں محبت تو نہیں کر بیٹھے؟''

''میں اور محبت......'' میں قہقہہ لگاتا لیکن آنسو میرے اندر گرتے، میں نے زندگی کو جینے کی بہت کوشش کی لیکن زندگی ہولے ہولے میرے اندر مرتی جارہی ہے۔

اماں ابا، گڑیا سب میرے لیے پریشان رہتے ہیں۔ اماں جب بھی شادی کا کہتیں میری آنکھوں کے سامنے بھیگی پلکوں والی وہ سمندر آنکھیں آجاتی ہیں اور محبت میرے اندر بال کھولے بین کرنے لگتی ہے۔

''نہیں......'' میں سختی سے انکار کردیتا ہوں۔ یہ محبت نہیں، یہ محض ٹھکرائے جانے کا کرب ہے جو اسے بھولنے نہیں دیتا لیکن میرا دل مجھ پر ہنستا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں۔

''ہاں یہ محبت ہے بھلا ماہ نور کے سوا میں کسی اور کے ساتھ شادی کیسے کرسکتا ہوں۔ میرا دل اور اس کی محبت سے لبالب بھرا ہے اور اس میں کسی اور کی محبت کی گنجائش نہیں اور میں منافقت بھری زندگی کیسے گزار سکتا ہوں، دل میں ماہ نور کی محبت ہو اور......''

❁ ❁ ❁

میں نے شادی نہیں کی، اماں ابا کی شدید چاہت کے باوجود میں منکرِ محبت تھا لیکن میرے اندر ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ محبت گہری ہوتی جارہی ہے۔ ہر روز جب میں سوکر اٹھتا ہوں تو اس کی جڑیں اور زیادہ گہری پاتا ہوں۔ میں تڑپتا ہوں، روتا ہوں لیکن کوئی نہیں جانتا کہ محبت نے کب مجھے زیر کرلیا۔ میرے دوست اب بھی مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ کوئی چہرہ مجھے متاثر نہیں کرتا، میں کسی حسن کے پیکر کو دیکھ کر ٹھٹک کر نہیں رکتا۔ اس لیے کہ میری آنکھوں کی پتلی میں تو بس ایک ہی تصویر ٹھہر گئی ہے ماہ نور کی تصویریں اور میں صائم ربانی ہولے ہولے اس محبت کے ہاتھوں مرتا جارہا ہوں جسے میں نے کبھی تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

اور یہ تحریر یہاں آکر ختم ہوگئی تھی یہ کاغذات مجھے اپنے دوست اور کزن صائم ربانی کے کمرے میں اس کی بیڈ کی سائیڈ دراز سے ملے تھے۔ یہ فائل جس میں یہ کاغذات تھے اس پر لکھا ہوا تھا گوشی کے لیے۔ جب خالہ نے یہ فائل نم آنکھوں کے ساتھ مجھے دی تھی تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ

اس میں کیا ہے شاید کوئی کہانی۔ پچھلے دنوں اس نے کہا تھا دو یا تین بار۔
''یار گوشی میرا جی چاہ رہا ہے ایک کہانی لکھوں' محبت کی کہانی۔''
''تم جو محبت کی الف ب تک نہیں جانتے تم محبت کی کہانی لکھو گے۔'' میں ہنسا تھا۔
''ہاں میرا دل چاہتا ہے لکھوں۔'' اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں پرسوزسی کیفیت۔
''تو لکھو اور مجھے ضرور پڑھانا۔''
میں نے اس سے کہا تھا اور جب خالہ نے مجھے وہ فائل دی تو میرا خیال تھا کہ شاید یہ وہی کہانی ہے جو صائم لکھنا چاہتا تھا لیکن جوں جوں پڑھتا جارہا تھا مجھے احساس ہورہا تھا کہ یہ کہانی تو......
میں گوشی ہوں صائم کا دوست اور خالہ زاد۔ ہم سب اسے منکر محبت کہتے تھے کیونکہ وہ ہماری طرح دل ہتھیلی پر لیے نہیں پھرتا تھا۔ ہمارے درمیان محبت کے موضوع پر لمبی لمبی بحثیں ہوتی تھیں اور وہ مذاق اڑاتا تھا۔
''محبت ایسے نہیں ہوتی کہ دیکھا اور بس وہاں ہی پٹ سے گر گئے۔ یہ کیوپڈ کے تیر والی باتیں سب کہانیاں ہیں۔'' لیکن جب اسے محبت ہوئی تو بالکل ایسے ہی اچانک ایک نظر میں' شروع شروع میں مجھے اس کی حالت دیکھ کر شک ہوتا تھا کہ کہیں دل تو نہیں لگا بیٹھا لیکن جب اس نے سختی سے تردید کی تو مجھے لگا شاید میرا وہم ہے۔ اس نے اپنی محبت کو دل کے اندر کہیں گہرائی میں چھپا رکھا تھا اور ہولے ہولے گھلتا جارہا تھا اس نے کسی کو اپنا بھید نہیں دیا اور ہم سمجھتے تھے اس کا دل پتھر ہے جو حسین سے حسین چہرہ بھی اسے متاثر نہیں کرتا حالانکہ اس کا دل تو......
ماہ نور کوئی بہت خوب صورت لڑکی نہیں تھی لیکن دلکش خدوخال کی مالک تھی۔ ہاں اس کی آنکھیں بہت پرکشش تھیں لیکن محبت نے اسے صائم کی نظروں میں دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی بنا دیا تھا۔ پہلے وہ ہماری محفلوں میں بیٹھتا تھا اپنی جاب پر جاتا تھا اور ہمارے

عیدالفطر کا چاند

دیر تک عید کا یہ چاند بھی رویا ہوگا
جب شہیدوں کے گھروں پر سے وہ گزرا ہوگا
منتظر باپ کے ہیں' عید منانے کے لیے
در پہ کچھ بچوں کو روتے ہوئے دیکھا ہوگا
قبر میں سوگئیں کچھ مائیں' اب ان کے پیارے
شیر خواروں کو بلکتے ہوئے پایا ہوگا
چوڑیاں ٹوٹی ہوئی صحن میں دیکھی ہوں گی
کتنی بیواؤں کو بے آسرا پایا ہوگا
ماؤں کی' بہنوں کی اور بھائیوں کی ہے یہ دعا
صدقے میں خونِ شہیداں کے اجالا ہوگا

راؤ تہذیب حسین تہذیب......رحیم یار خان

نظریات کی ہنسی اڑاتا تھا حالانکہ اس کا دل محبت آشنا ہوچکا تھا پھر وہ کم کم گھر سے باہر نکلنے لگا' ایک دن اس نے جاب چھوڑ دی دوستوں سے ملنا ترک کردیا۔
''تمہارے ساتھ کیا پرابلم ہے صائم!'' میں نے کئی بار پوچھا تھا۔
''میرا دل......''
''کیا کہتا ہے تمہارا دل؟'' مجھے لگا تھا جیسے اب وہ کھلنے والا ہے لیکن اس نے پھر چپ سادھ لی۔ خالہ اور خالو کی آنکھوں میں ہر وقت آنسو رہنے لگے تھے۔ وہ ہولے ہولے حواس کھوتا جارہا تھا' گھنٹوں ایک ہی جگہ بیٹھا رہتا' ایک ہی جگہ نظریں جمائے خلا میں گھورتا رہتا۔ ہفتوں کپڑے نہ بدلتا' اپنے آپ مسکراتا اور پھر چپ سادھ لیتا۔
ایک روز تیار ہوکر وہ میرے پاس آیا' وہ بڑے دنوں بعد اس طرح تیار ہوکر آیا تھا اگرچہ اس کی آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے پھر بھی بہتر لگ رہا تھا۔ خالو اسے کسی سائیکائٹرسٹ کے پاس لے کر جارہے تھے شاید اسی سے علاج سے بہتر ہوئی ہے' میں خوش ہوگیا تھا۔
''گوشی چلو قصور چلتے ہیں۔''

"کوئی کام ہے؟"

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا تھا لیکن قصور میں اسے کوئی کام نہ تھا یوں ہی بے مقصد گھومنے پھرنے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

"گوشی تمہیں عطیہ آنٹی کا گھر پتا ہے اب قصور آئے ہیں تو ملتے چلیں۔ میں نے کچھ عرصہ ماہ نور کو پڑھایا تھا جب عطیہ آنٹی لاہور خالہ کے گھر آئی تھیں اب یہ تو بے مروتی ہوگی نا کہ یہاں سے ملے بغیر چلے جائیں اور خالو کو پتا چلا تو وہ بھی ناراض ہوں گے کہ ان کی بہن کے گھر نہیں گیا۔"

اور ہم عطیہ چچی کے گھر آگئے عطیہ چچی کی شادی ابا کے کزن سے ہوئی تھی۔ عطیہ خالہ بہت خوش ہو کر ملیں اور ماہ نور نے بھی ہمیں دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ وہ بے حد خوش اور مطمئن تھی اس حادثے کے بعد میں نے پہلی بار اسے اتنا مطمئن اور خوش دیکھا تھا۔ صائم کی نظروں نے جیسے اسے اپنے حصار میں لے رکھا تھا اور مجھے صائم کا اس طرح ماہی کی طرف دیکھنا تھوڑا ناگوار گزر رہا تھا لیکن اس کی حالت کے پیش نظر میں نے نظرانداز کیا۔

عطیہ چچی نے بتایا کہ اگلے مہینے ماہ نور کی رخصتی ہے مبشر آیا ہوا ہے رخصتی کے بعد ساتھ ہی لے کر جائے گا۔ پیپرز بنوالیے ہیں اس نے کہہ رہا تھا وہاں ڈاکٹروں سے کنسلٹ کرلے گا۔ اللہ میری ماہی کو پھر سے اپنے قدموں پر کھڑا کردے تم بھی دعا کرنا بیٹا اور ہاں شادی میں تم لوگ ضرور آنا۔ میں لاہور آؤں گی کچھ دنوں تک دعوت دینے۔" میں نے دیکھا صائم نے ماہ نور کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں اور یکدم ہی بہت مضطرب لگنے لگا تھا پھر فوراً ہی ہم اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

"میرا خیال تھا شاید مبشر ماہ نور سے شادی سے انکار کردے گا۔" اس نے راستے میں خیال ظاہر کیا تھا۔

"اکثر ایسا ہی ہوتا ہے نا۔"

"ہاں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔" میں نے تبصرہ کیا تھا پھر لاہور تک وہ خاموش ہی رہا اپنے گھر کے گیٹ پر جب میں اس سے رخصت ہو رہا تھا تو اس نے کہا تھا۔

"گوشی کبھی کبھی آدمی کسی موہوم امید پر جیتا رہتا ہے یا جینے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھر جب وہ موہوم امید بھی ختم ہوجائے تو کیسے جیا جاسکتا ہے۔" اس وقت میں اس کی بات نہیں سمجھا تھا لیکن اب سمجھ سکتا ہوں کہ شاید اسے یہ گمان ہو یہ امید ہو کہ مبشر ماہ نور کو طلاق دے دے اس سے شادی نہ کرے لیکن مبشر تو اپنے وعدے کا پکا نکلا تھا اور اسے بیاہنے آگیا تھا اور ماہ نور کے چہرے پر گلاب کھل رہے تھے۔

"کیا تم اب بھی اسے یاد کرتے ہو؟ محبت کرتے ہو اس سے؟" گوشی نے کہا تو اس نے اچانک گیٹ کے اندر جاتے ہوئے مڑ کر پوچھا تھا۔

"ہاں محبت مرتی نہیں کبھی بھی لیکن......"

"ماردیتی ہے......" اس نے جملہ مکمل کیا تھا۔

"ہاں لیکن تم جیسے منکر محبت نہیں سمجھ سکتے۔" اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ اندر چلا گیا تب مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں اسے آخری بار دیکھ رہا ہوں صبح میری آنکھ اماں کے رونے پیٹنے سے کھلی تھی۔

"گوشی...... گوشی...... صائم چلا گیا......" وہ مجھے بری طرح جھنجوڑ رہی تھیں۔

"نہیں......" مجھے یقین نہیں آیا تھا اور اسے بند آنکھیں کیے دیکھ کر بھی یقین نہیں آیا تھا ابھی کل ہی تو ہم قصور گئے تھے۔

"لیکن جب امید مرجائے تو کیسے جیا جاسکتا ہے؟" اس نے کہا تھا۔

تو کیا اس کی بھی کوئی امید مرگئی تھی تب میں نہیں جانتا تھا لیکن اب اس کی وہ خودنوشت پڑھ کر جان سکتا ہوں کہ اس کی بھی امید مرگئی تھی۔ اس کی وفات کے سات دن بعد آج فائل میں لگے کاغذات پڑھنے کے بعد میں سوچ رہا ہوں کہ وہ منکر محبت تھا لیکن محبت نے اسے ماردیا تھا۔